کنز المدارس بورڈ کے نصاب میں شامل

مکتبۃ المدینہ
MAKTABA TUL MADINAH

تاریخ حدیث و تفسیر




پیشکش:
المدینۃ العلمیۃ (دعوتِ اسلامی)
Islamic Research Center
R&D Kanz-ul-Madaris Board

تعارفِ تفسیر اور مفسرین

علمِ تفسیر

وہ مقدس علم جس کا تعلق اللہ پاک کے پاکیزہ کلام کی مراد کو سمجھنے کے ساتھ ہے علمِ تفسیر کہلاتا ہے۔ یہ ایسا عظیم الشان علم ہے جسے حاصل کرنے والا اپنی استطاعت کے مطابق کلامِ الٰہی کو سمجھنے کا اِعزاز حاصل کرتا ہے اس لیے ہر زمانے میں علمائے کرام کا اس کے ساتھ خاص لگاؤ رہا ہے۔ اس علم کی بنیادی باتیں اور اس کے متعلقات پیشِ خدمت ہیں:

تفسیر کا لغوی معنٰی

تفسیر کا لغوی معنٰی کھول کر بیان کرنا یا واضح کرنا ہے۔ کلامِ مجید میں لفظِ تفسیر اپنے لغوی معنٰی میں استعمال ہوا ہے چنانچہ پارہ 19 سورۂ فرقان کی آیت نمبر 33 میں اللہ پاک اِرشاد فرماتا ہے:

وَ لَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ﰂ

(پ 19، فرقان: 33)

ترجمۂ کنزالعرفان: اور وہ آپ کے پاس کوئی بھی مثال لے آئیں، ہم آپ کے پاس حق اور بہتر بیان لے آئیں گے۔

تفسیر کی تعریف

مفسرین نے تفسیر کی مختلف تعریفات بیان فرمائی ہیں، ان میں سے تفسیر کی ایک تعریف یہ ہے کہ قرآنِ مجید کے وہ احوال بیان کرنا جو عقل سے معلوم نہ ہو سکیں بلکہ ان میں نقل کی ضرورت ہو جیسے آیات کا شانِ نزول یا آیات کا ناسخ و منسوخ ہونا بیان کرنا۔[1]

(1) تفسیر صراط الجنان، 30/1

تفسیر کی اس تعریف سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تفسیر اُسے ہی کہا جائے گا جس کے بارے میں ہمارے پاس کوئی نقلی دلیل موجود ہو جیسے اَحادیث کی کتابوں میں کتاب التفسیر ہے یا صحابۂ کرام اور تابعین کے تفسیری اقوال جو مختلف کتب میں ملتے ہیں وغیرہ۔ یاد رکھیے! اس انداز پر کی گئی تفسیر ہی قابلِ قبول ہے۔

تفسیر کا حکم

بعض اوقات قرآنِ پاک کی آیات کا مفہوم اپنی عقل سے بیان کیا جاتا ہے اور اس میں قرآن وحدیث، صحابہ و تابعین اور معتمد مفسرین کی آرا کو پیشِ نظر نہیں رکھا جاتا ایسی تفسیر اپنی رائے کے ذریعے تفسیر ہے اور قرآنِ مجید کی تفسیر اپنی رائے سے بیان کرنا حرام ہے۔

جب ہم تفسیر کا ذکر کرتے ہیں تو اس کے ساتھ لفظ تاویل بھی مذکور ہوتا ہے۔ آیئے! اس کے معنیٰ بھی سمجھ لیتے ہیں۔

تاویل کا لغوی معنیٰ

"تاویل" اوّل یؤوّل سے باب تفعیل کا مصدر ہے جس کے لغوی معنیٰ ہیں: تفسیر کرنا۔

مختار الصحاح میں ہے: التاویل: تفسیر مایؤول الیه الشیئ۔ (1)

تاویلِ قرآن کی اصطلاحی تعریف

تاویلِ قرآن کی ایک تعریف یہ ہے کہ قرآنی آیات کے مضامین اور ان کی باریکیاں بیان کی جائیں اور صرفی ونحوی قواعد اور دیگر علوم کے ذریعے قرآنی آیات سے طرح طرح کے نکات نکالے جائیں۔ (2)

---

(1) مختار الصحاح، ص:28

(2) تفسیر صراط الجنان، 30/1

تاویل کا شرعی حکم

اپنے علم و معرفت سے قرآن کی جائز تاویل بیان کرنا اہلِ علم کے لئے جائز اور باعثِ ثواب ہے جبکہ نا اہل کے لیے حرام ہے۔

حضرت علّامہ سلیمان جمل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”شرائط کے ساتھ تاویل بِالرّائے یعنی رائے سے تاویل کے جواز جبکہ تفسیر بِالرّائے یعنی رائے سے تفسیر کے ناجائز ہونے میں راز یہ ہے کہ تفسیر تو اللہ پاک پر گواہی دینا اور اس بات کا یقین کرنا ہے کہ اللہ پاک نے اس کلمہ کے یہ ہی معنیٰ مراد لئے ہیں اور یہ بغیر بتائے جائز نہیں، اسی لئے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے فیصلہ کر دیا کہ صحابی کی تفسیر مرفوع حدیث کے حکم میں ہے اور تاویل چند احتمالات میں سے بعض کو یقین کے بغیر ترجیح دینے کا نام ہے (اس لئے یہ بغیر بتائے اہلِ علم کے لئے جائز ہے۔)[(1)]

تفسیر کی ضرورت واہمیت

امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس زمانے میں قرآنِ مجید عربی زبان میں نازل ہوا اس وقت عربی کی فصاحت وبلاغت کے ماہرین موجود تھے، وہ اس کے ظاہر اور اس کے احکام کو تو جانتے تھے لیکن اس کی باطنی باریکیاں ان پر بھی غور و فکر کرنے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے سُوالات کرنے کے بعد ہی ظاہر ہوتی تھیں۔ بطورِ مثال اس ضمن میں دو وَاقعات پیشِ خدمت ہیں:

(1) ظلم سے مراد شرک ہے

حضرت عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ جب یہ آیتِ مبارکہ

(1) حاشیۃ الجمل، 3/1

نازل ہوئی:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ۠ (پ7،الانعام:82)

ترجمۂ کنز الایمان: وہ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی انہیں کے لیے امان ہے اور وہی راہ پر ہیں۔

ہم نے رسول اللہ صلي الله عليه واله وسلم کی خدمت میں عرض کی: ہم میں سے ایسا کون ہے جو اپنی جان پر ظلم نہیں کرتا؟ نبیٔ کریم صلي الله عليه واله وسلم نے فرمایا: جس طرح تم کہہ رہے ہو ایسا نہیں ہے۔ (بلکہ آیت میں) ظلم سے مراد شرک ہے۔ کیا تم نے (حضرت) لقمان رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو نہیں سنا جو انہوں نے اپنے بیٹے کو فرمایا تھا:

یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؔؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ۝ (پ21،لقمٰن:13)

ترجمۂ کنز الایمان: اے میرے بیٹے! اللہ کا کسی کو شریک نہ کرنا بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔[1]

دیکھیے! جب صحابۂ کرام رَضِیَ اللہ عنہم کو اس آیتِ مبارکہ کے معنٰی پر اشکال واقع ہوا تو نبیٔ کریم صلي الله عليه واله وسلم نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد (عمومی ناحق تلفی اور ظلم وزیادتی نہیں جو بتقاضائے بشریت کبھی کبھار ہو جاتی ہے، بلکہ یہاں ظلم سے مراد) ظلمِ عظیم ہے اور اس بات کو سمجھانے کے لیے نبیٔ کریم صلي الله عليه واله وسلم نے سورۂ لقمان کی اس آیتِ مبارکہ "اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ" سے استدلال فرمایا۔

(2) جس سے حساب لیا گیا وہ عذاب دیا گیا

بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ نبیٔ کریم صلي الله عليه واله وسلم نے اِرشاد فرمایا: "من حُوسِبَ عُذِّبَ یعنی جس سے حساب لیا گیا وہ عذاب دیا گیا۔" حضرت عائشہ

(1) بخاری، 1/24، حدیث: 32

صدیقہ رَضِیَ اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کی: کیا اللہ پاک نے یہ نہیں ارشاد فرمایا: ﴿فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ۙ﴾ (پ 30، انشقاق: 8) ترجمۂ کنز الایمان: اس سے عنقریب سہل حساب لیا جائے گا۔ نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یہ تو صرف اعمال کا پیش ہونا ہے لیکن جس سے اعمال کے حساب کے معاملے میں جرح کی گئی تو وہ عذاب میں گرفتار ہو جائے گا۔[1]

ان دونوں روایات کو نقل کرنے کے بعد سَیِّدُنا امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (تو جب میدانِ فصاحت و بلاغت کے شہسواروں کو قرآن کے معانی سمجھنے کے لئے الفاظِ قرآنی کی تفسیر کی حاجت ہوئی) تو ہم تو اُس چیز کے زیادہ محتاج ہیں جس کی اُنہیں ضرورت پڑی بلکہ ہم تو سب لوگوں سے زیادہ اس چیز کے محتاج ہیں کیونکہ ہمیں بغیر سیکھے لغت کے اَسرار و رُموز اور اس کے مراتب معلوم نہیں ہو سکتے۔[2]

قرآن فہمی ایک سعادت ہے

قرآن فہمی بہت بڑی عبادت و سعادت ہے، لہٰذا تلاوتِ قرآن کے ساتھ مستند تفاسیر کے ذریعے معانیِ قرآن بھی سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ حضرت اِیاس بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو لوگ قرآنِ مجید پڑھتے ہیں اور وہ اس کی تفسیر نہیں جانتے ان کی مثال اُن لوگوں کی طرح ہے جن کے پاس رات کے وقت ان کے بادشاہ کا خط آیا اور ان کے پاس چراغ نہیں جس کی روشنی میں وہ اس خط کو پڑھ سکیں تو ان کے دل ڈر گئے اور انہیں معلوم نہیں کہ اس خط میں کیا لکھا ہے؟ اور وہ شخص جو قرآن پڑھتا ہے اور اس کی

---

(1) بخاری، 1/55، حدیث: 103

(2) ...

تفسیر جانتا ہے اس کی مثال اس قوم کی طرح ہے جن کے پاس قاصد چراغ لے کر آیا تو انہوں نے چراغ کی روشنی سے خط میں لکھا ہوا پڑھ لیا اور انہیں معلوم ہو گیا کہ خط میں کیا لکھا ہے۔[1]

تفسیرِ قرآن کے درجات

تفسیرِ قرآن کے پانچ درجات ہیں جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

(1) تَفْسِيرُ الْقُرْآنْ بِالْقُرْآنْ

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی تفسیر قرآنی آیات سے کی جائے۔ قرآنِ پاک چونکہ ایک ہی مرتبہ نازل نہیں کیا گیا بلکہ لوگوں کی ضروریات کے مطابق جہاں حکمتِ الٰہی کا تقاضا ہوا، آیات نازل ہوتی رہیں۔ بعض مقامات پر ایک حکم مختصر طور پر بیان کیا گیا اور بعد میں اس کی تفصیل نازل کی گئی۔ اسی طرح ایک موقع پر ایک آیت نازل ہوئی اور دوسری جگہ اس حکم کی مدت کے اختتام کا ذکر کیا گیا، یوں ہی ایک مقام پر کوئی بات اجمالی طور پر ذکر کی گئی اور دوسری جگہ اس کی تفصیل بیان کر دی گئی۔ اس لیے بہت ضروری ہے کہ قرآنِ پاک کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے قرآنِ پاک سے ہی مدد لی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ جس آیت کو ہم سمجھنا چاہ رہے ہیں اسی مفہوم کی دوسری آیت کسی دوسرے مقام پر تو مذکور نہیں، اگر ایک آیت میں کوئی عام حکم بیان کیا گیا ہے تو سب سے پہلے قرآنِ پاک سے دیکھ لیا جائے کہ کسی آیت میں اس عام حکم سے کسی کو خاص تو نہیں کیا گیا۔ وعلیٰ ھذا القیاس۔ اسی کو تفسیر القرآن بالقرآن کا نام دیا جاتا ہے اور یہ تفسیرِ قرآن کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔

---

(1) تفسير قرطبي، 41/1

(2)تَفْسِيرُ الْقُرْآنْ بالحديث

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی تفسیر تاجدارِ رسالت صلي الله عليه واله وسلم کی احادیث سے کی جائے کیونکہ اللہ پاک نے اپنے حبیب صلي الله عليه واله وسلم کو قرآنِ مجید کے معانی، احکام اور تمام اَسرار ورُموز سکھا دیئے ہیں، اس لئے جب قرآنِ مجید کی تفسیر قرآنی آیات سے نہ ملے تو حضور پُرنور صلي الله عليه واله وسلم کی احادیث سے اس کی تفسیر بیان کی جائے اور ترتیب کے اعتبار سے یہ تفسیر کا دوسرا درجہ ہے۔

اسے یوں سمجھئے کہ قرآنِ پاک میں ایک لفظ کسی خاص اصطلاحی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے تو اس کا درست مفہوم سمجھنے کے لیے قرآنِ پاک ہی کی دوسری آیات یا احادیثِ طیبہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ جیسے ایمان، اسلام، نفاق، شرک، کفر، روح، نفس، بَعث، صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، صوم، رِبا، صدقہ اور اِنفاق وغیرہ، ان سب کا معنیٰ نہ تو عربی لغت سے متعین کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی سمجھا جاسکتا ہے بلکہ ان کے معنیٰ ومفہوم کے تعین کے لئے حضور پُرنور صلي الله عليه واله وسلم کی طرف رجوع کرنا بہر صورت لازمی ہے اور ان کا جو معنیٰ ومفہوم آپ صلي الله عليه واله وسلم نے بیان فرمایا ہے اسے بلا تَرَدُّد تسلیم کرنا ضروری ہے اور جو لوگ قرآنِ مجید کی ان اصطلاحات کے معاملے میں صراطِ مستقیم سے بہک گئے ان کے بہکنے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے وحیِ ربانی کی بجائے لغتِ عرب کو قرآنِ عظیم کا اصلی ماخذ قرار دیا اور لغت میں ان اصطلاحات کا جو معنیٰ مذکور تھا وہی ان کے لئے متعین کر دیا۔

(3)تفسير القرآن بآثار الصحابه

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی تفسیر صحابۂ کرام رَضِیَ اللہ عنہم کے اقوال سے کی

جائے کیونکہ یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے براہِ راست حضور پُر نور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے قرآنِ عظیم کی تعلیم حاصل کی اس لئے جب قرآنِ مجید کی تفسیر قرآنی آیات اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی احادیث سے نہ ملے تو صحابۂ کرام رَضِیَ اللہ عنہم کے اقوال کی روشنی میں آیاتِ قرآنی کی تفسیر بیان کی جائے۔

مثال کے طور پر احادیث کی کتابوں میں جہاں محدثین نے کتاب التفسیر کے نام سے ابواب قائم کیے ہیں یا وہ تفاسیر جو دوسری یا تیسری صدی ہجری میں لکھی گئی ہیں ان میں مختلف آیات کے بارے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور صحابۂ کرام رَضِیَ اللہ عنہم کے اقوال مل جاتے ہیں جیسے بخاری و مسلم کے کتاب التفسیر یا تفسیر جامع البیان وغیرہ میں مذکور صحابۂ کرام رَضِیَ اللہ عنہم کے مبارک اقوال یا ان کے استنباطات جو انہوں نے کیے۔

یاد رہے! ترتیب کے اعتبار سے تفسیر القرآن بآثار الصحابہ کا تیسرا درجہ ہے، یعنی اگر کسی آیت کی وضاحت سے متعلق کوئی دوسری آیتِ قرآنی یا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان نہ ملے تو پھر صحابۂ کرام کے اقوال کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

(4) تَفْسِيْرُ الْقُرْآنْ بِآثَارِ التَّابِعِيْن

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی تفسیر تابعین کے اقوال کی روشنی میں کی جائے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صحابۂ کرام رَضِیَ اللہ عنہم سے قرآنِ مجید کی تفسیر سیکھی اس لئے جب قرآنی آیات، اَحادیثِ مبارکہ اور صحابۂ کرام کے اقوال سے کسی آیت کی تفسیر نہ ملے تو تابعین کے اقوال سے اس کی تفسیر بیان کی جائے گی البتہ اس میں یہ لحاظ رکھا جائے گا کہ تابعی اگر کسی صحابی سے تفسیر نقل کر رہے ہوں تو اس کا حکم وہی ہوگا جو صحابۂ کرام کی بیان کردہ تفسیر کا ہے، نیز اگر وہ تابعین کا اجماعی قول ہے تو حجت ہے ورنہ نہیں۔

یادرکھیے! تابعین کے اقوال بھی کتبِ احادیث یا ابتدائی دور کی تفاسیر میں مل جاتے ہیں۔

(نوٹ:) تفسیرِ قرآن کے لیے بنیادی طور پر یہی 4 درجات یا طریقے ہیں ان کے علاوہ ایک درجہ یا طریقہ اور بھی ہے جس کا تعلق مخصوص آیات سے ہے۔اس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

(5)تفسير القرآن باللّغة العربية

قرآنِ مجید کی بعض آیات ایسی ہیں جن کے مفہوم میں کوئی الجھن اور پیچیدگی نہیں بلکہ ان کا مفہوم بالکل واضح ہے،ایسی آیات کی تفسیر کے لئے عربی لغت اور عربی قواعد ہی کافی ہیں البتہ وہ آیات جن کا مفہوم واضح نہیں یا جن سے فقہی احکام اخذ کئے جارہے ہوں تو ان آیات کی تفسیر ماقبل مذکور چاروں ماخذ سے کی جائے گی اور ان کے بعد لغتِ عرب کو بھی سامنے رکھا جائے گا کیونکہ عربی زبان میں اس قدر وسعت ہے کہ اس میں ایک لفظ کے بسا اوقات کئی کئی معنی ہوتے ہیں۔[1]

تفسیرِ قرآن کی تاریخ

تفسیرِ قرآن کی تاریخ تقریباً چار اَدوار پر مشتمل ہے جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلا دور: نزولِ قرآن کا دور

تفسیرِ قرآن کا سب سے پہلا دور وہ ہے جب نبیٔ کریم صلي الله عليه واله وسلم پر قرآنِ پاک نازل ہو رہا تھا۔ اگرچہ قرآنِ مجید عربی زبان میں نازل ہوا اور صحابۂ کرام رَضِیَ اللهُ عنهم کی زبان بھی عربی تھی اور وہ اس عظیم کلام کو سمجھ بھی لیتے تھے، لیکن بعض آیاتِ قرآنی یا الفاظ اس طرح استعمال ہوئے کہ ان کا درست مفہوم اس وقت تک سمجھ نہیں آسکتا تھا کہ جب

(1) تفسیر صراط الجنان، 1/31-32 ماخوذاً

تک ان کی وضاحت نہ کی جائے۔ اس لئے جب کسی صحابی کو قرآنِ مجید کے کسی لفظ کے معنیٰ سمجھنے میں دشواری ہوتی تو وہ بارگاہِ رسالت صلي الله عليه واله وسلم میں حاضر ہو کر عرض کر دیتے اور حضور پُر نور صلي الله عليه واله وسلم اس کے معنیٰ بیان فرما کر ان کی تَشَفِّی فرما دیتے، اسی طرح بعض اوقات سَیِّدُ المرسلین صلي الله عليه واله وسلم خود ہی قرآنی آیات کے معنیٰ بیان فرما دیتے اور یہی وہ دور ہے جس میں قرآنِ مجید کی تفسیر بیان کرنے کی ابتداء ہوئی۔ اس مرحلے میں سب سے پہلے قرآنِ مجید کی تفسیر اور اس کے معانی اللہ کریم نے اپنے حبیب صلي الله عليه واله وسلم سے بیان فرمائے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کی مراد کو سب سے زیادہ جانتا ہے اور اس کے بعد تاجدارِ رسالت صلي الله عليه واله وسلم نے صحابۂ کرام کے سامنے قرآنِ عظیم کی تفسیر بیان فرمائی۔ اللہ پاک اپنے حبیب صلي الله عليه واله وسلم کے اس منصب کو بیان کرتے ہوئے اِرشاد فرماتا ہے:

وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ

(پ14، النحل: 44)

ترجمۂ کنزالعرفان: اور اے حبیب! ہم نے تمہاری طرف یہ قرآن نازل فرمایا تاکہ تم لوگوں سے وہ بیان کر دو جو اُن کی طرف نازل کیا گیا ہے۔

یاد رہے! نبیٔ کریم صلي الله عليه واله وسلم نے بعض آیاتِ مبارکہ کی تفسیر خود بھی بیان فرمائی ہے۔ بطورِ مثال اس ضمن میں ایک روایت پیشِ خدمت ہے چنانچہ حضرت عقبہ بن عامر رَضِیَ اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلي الله عليه واله وسلم نے منبر مبارک پر قرآنِ پاک کی آیتِ مبارکہ:

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ

(پ10، الانفال: 60)

ترجمۂ کنز الایمان: اور ان کے لئے تیار رکھو جو قوت تمہیں بن پڑے۔

تلاوت فرمانے کے بعد "قوۃ" کی تفسیر یوں اِرشاد فرمائی: أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ یعنی یہاں قوۃ سے مراد رَمی ہے یعنی پھینکنے کی قوت مراد ہے۔[1]

دوسرا دور: صحابۂ کرام کا دور

جب سرکارِ دوعالم صلي الله عليه واله وسلم نے وصال فرمایا تو صحابۂ کرام رَضِیَ اللہ عنہم کا مقدّس زمانہ آیا اور یہ وہ مبارک ہستیاں ہیں جنہوں نے براہِ راست سَیِّدُ المرسلین صلي الله عليه واله وسلم سے قرآنِ عظیم کی تعلیم حاصل کی، ان میں سے بعض صحابۂ کرام رَضِیَ اللہ عنہم ایسے تھے جنہوں نے اس کام کے لئے اپنی پوری زندگی وقف کر دی تھی۔ انہوں نے اہلِ زبان ہونے اور نزولِ قرآن کے ماحول سے پوری طرح واقف ہونے کے باوجود اپنی زبان دانی پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ رسولُ اللہ صلي الله عليه واله وسلم سے قرآنِ مجید سیکھا اور اس کے اَسرار ورُموز کی معلومات حاصل کیں۔ مشہور تابعی عالم حضرت ابو عبد الرحمن رحمة الله عليه فرماتے ہیں: صحابۂ کرام رَضِیَ اللہ عنہم میں سے جو حضرات ہمیں قرآنِ عظیم کی تعلیم دیا کرتے تھے انہوں نے ہمیں بتایا کہ وہ رسولُ اللہ صلي الله عليه واله وسلم سے دس آیتیں سیکھتے اور اس وقت تک ان سے آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک ہم ان آیات کی تمام علمی اور عملی باتوں کا علم حاصل نہ کر لیں۔[2]

حضرت انس رَضِیَ اللہ عنہ فرماتے ہیں: "جب کوئی شخص (نبیٔ کریم صلي الله عليه واله وسلم سے) سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران پڑھ لیتا تو وہ ہماری نظروں میں بہت قابلِ احترام ہو جاتا تھا۔[3]

---

(1) مسلم، ص:817، حدیث:4946

(2) مصنف ابن ابی شیبة، 436/15، حدیث:30549

(3) شرح السنة، 76/7، حدیث:3619

مشہور مفسرین صحابۂ کرام

امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ اِرشاد فرماتے ہیں: صحابۂ کرام رَضِیَ اللہ عنہم میں سے دس ایسے ہیں جن کی شہرت بطور مفسر (بھی) ہے۔ ان میں خلفائے اربعہ بھی شامل ہیں۔

خلفائے اربعہ اور تفسیر

خلفائے اربعہ میں سے ہر ایک کو چونکہ نبیٔ کریم صلي اللہ علیہ والہ وسلم سے خاص قرب حاصل رہا اس لیے قرآنِ پاک کے مفہوم کو وہ دیگر کے مقابلے میں زیادہ جانتے تھے لیکن اس کے باوجود اَحادیث کی کتابوں میں پہلے تین خلفا سے مروی روایات کی تعداد بہت کم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے زمانے میں علمِ تفسیر کی تدوین باقاعدہ شروع نہیں ہوئی تھی۔ مولیٰ علی رَضِیَ اللہ عنہ کے زمانے سے چونکہ اس کی طرف علما کی توجہ ہو گئی تھی اس لیے آپ کے شاگردوں نے آپ سے تفسیری روایات کو لیا اور دیگر لوگوں تک پہنچایا۔ یہی وجہ ہے کہ خلفائے اربعہ میں سے سب سے زیادہ روایات آپ رَضِیَ اللہ عنہ سے مروی ہیں۔

مولا علی کا علمِ قرآن

حضرتِ سَیِّدُنا علی المرتضیٰ شیرِ خدا رَضِیَ اللہ عنہ کو علمِ قرآن میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الاتقان میں آپ کا یہ فرمان نقل فرمایا ہے: "فواللہ ما من آیۃ إلا وأنا أعلم أبلیل نزلت أم بنھار أم في سھل أم في جبل" یعنی اللہ کی قسم میں قرآنِ پاک کی ہر آیت کے بارے میں جانتا ہوں کہ یہ رات کو نازل ہوئی یا دن کے وقت اور یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ کس مقام پر نازل ہوئی۔[1]

---

(1) الاتقان فی علوم القرآن، 1227/2

خلفائے کرام رَضِیَ اللہ عنہم کے علاوہ درج ذیل صحابۂ کرام سے بھی تفسیری روایات کثرت سے ملتی ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہ عنہ

نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہ عنہما وہ شخصیت ہیں جن کے لیے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عِلمِ قرآن کی دُعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيلَ یعنی اے اللہ! اسے دین کی سمجھ اور تاویل کا علم عطا فرما۔[1]

بہترین ترجمانِ قرآن

ایک روایت میں ہے کہ نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے آپ رَضِیَ اللہ عنہ سے اِرشاد فرمایا: "نِعْمَ تُرْجُمَانُ الْقُرْآنِ أَنْتَ یعنی تم کتنے بہترین قرآنِ پاک کے ترجمان ہو۔"[2]

بزرگ بدری صحابۂ کرام کے ساتھ مجالست

حضرتِ سَیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہ عنہما نے چھوٹی عمر سے ہی نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی صحبت کی برکتیں پائیں اور علوم وفنون میں کمال حاصل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللہ عنہ بدر کے بزرگ صحابۂ کرام کی مجلس میں آپ کو بھی شامل کرتے تھے، اس پر بعض صحابۂ کرام نے کہا کہ عبد اللہ بن عباس ہمارے بچوں کی عمر کے ہیں لیکن آپ انہیں ہمارے ساتھ بٹھاتے ہیں تو آپ رَضِیَ اللہ عنہ نے ان کے مجمعے میں حضرت عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہ عنہ کو بلایا اور پھر ان سے پوچھا آیت مبارکہ "اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُۙ" کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو ان میں سے بعض نے کہا کہ اس آیت میں ہمیں اس

(1) مسند امام احمد، 159/5، حدیث:3032

(2) جمع الجوامع، 373/7، حدیث:23900

بات کا حکم دیا گیا ہے کہ جب ہمیں فتح حاصل ہو تو ہم اللہ پاک کی حمد و ثنا بیان کریں اور استغفار کریں جبکہ بعض صحابۂ کرام خاموش رہے۔ اس کے بعد حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس سے فرمایا: اس آیتِ مبارکہ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس آیتِ مبارکہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وصالِ مبارک کی خبر دی گئی ہے تو حضرت عمر رَضِیَ اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بھی اس آیتِ مبارکہ کے بارے میں یہی جانتا ہوں[1] (کہ اس میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وصالِ مبارک کی خبر دی گئی ہے۔)

تفسیری مہارت

آپ کی تفسیری مہارت کا یہ عالم تھا کہ فرماتے: لو ضاع منی عقال بعیر لوجدتہ فی القرآن یعنی اگر میرے اونٹ کے نکیل کی رسی گم ہو جائے تو میں اُسے قرآنِ پاک سے تلاش کرلوں گا۔

آپ رَضِیَ اللہ عنہ سے بے شمار تفسیری روایات اور مختلف اسناد کے ساتھ تفسیری نکات ملتے ہیں، علمائے کرام نے ان اسناد کے بارے میں غور وخوض کر کے بعض کو ترجیح دی اور بعض طرق کو قبول نہیں کیا۔

سب سے جید طریقۂ سند

امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی مرویات میں سے سب سے جید سند کا ذکر یوں کرتے ہیں: فمن جیّدھا طریق علی بن ابی طلحۃ الھاشمی عنہ یعنی سند کے اعتبار سے جید طریقۂ سند علی بن ابی طلحہ الھاشمی کا ہے۔ امام بخاری تعلیقاتِ ابنِ عباس میں اسی طریقۂ سند پر اعتماد فرماتے ہیں اور بقیہ مؤلفین کتبِ حدیث کے نزدیک یہ سلسلۂ سند

---

(1) بخاری، 3/391، رقم: 4970 ملتقطاً

حجت ہے۔[1]

سب سے کمزور طریقۂ سند

امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی مرویات میں سے سب سے کمزور سند نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: واوھی طرقه طریق الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس یعنی سند کے اعتبار سے سب سے کمزور طریقۂ سند کلبی عن ابی صالح عن ابن عباس ہے۔[2]

حضرت اُبی بن کعب رَضِیَ اللہ عنہ

بدری صحابی، سَیِّدُ القُرّاء حضرت اُبی بن کعب انصاری رَضِیَ اللہ عنہ قبیلۂ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو سب سے پہلے آپ نے مدینہ شریف تشریف لانے کی دعوت دی تھی۔ قرأت میں بھی آپ کا رتبہ بلند پایہ ہے۔ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے اُمّت کے سب سے بڑے قاری ہونے کا لقب پایا۔ اسلام لانے سے قبل یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے، کاتبِ وحی ہونے کی وجہ سے اسبابِ نزول کو بھی دیگر کے مقابلے میں زیادہ جاننے والے تھے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے: ”خُذُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ: ابْنِ مَسْعُودٍ، وَأُبَيِّ بْنِ كَعْب، وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، وَسَالْم مولیَ أبي حذيفة۔“[3]

مشہور اسناد

آپ کی مشہور اسناد جن کو صحیح یا حسن کہا گیا ہے، دو ہیں: (1) ابو جعفر رازی عن ربیع بن انس عن ابی العالیة عن ابي بن کعب (2) دوسری سند وہ ہے جس میں آپ کے

(1) الاتقان فی علوم القرآن، 1230/2

(2) الاتقان فی علوم القرآن، 1232/2

(3) فضائل الصحابة للنسائي، 391/1، رقم: 1120

بیٹے حضرت طفیل رَضِیَ اللہ عنہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ مکمل سند یوں ہے: عن وكيع عن سفيان عن عبد الله بن محمد بن عقيل عن طفيل عن ابي بن كعب رضی اللہ عنہ یہ سند حسن درجے کی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن زبیر رَضِیَ اللہ عنہ

صحابی ابنِ صحابی حضرت عبد اللہ بن زبیر رَضِیَ اللہ عنہ اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہ عنہا کے بھانجے اور ہجرت کے بعد مدینہ شریف میں مسلمانوں کے ہاں سب سے پہلے پیدا ہونے والے بچے ہیں۔ نبیٔ کریم صلي الله عليه واله وسلم نے آپ کو گھٹی دی اور کھجور چبا کر آپ کے منہ میں ڈالی۔

ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلي الله عليه واله وسلم نے پچھنے لگوائے، اس سے جو خون مبارک نکلا، حضرت عبد اللہ بن زبیر رَضِیَ اللہ عنہ سے فرمایا کہ اسے ایسی جگہ بہا دو جہاں لوگوں کی نگاہ نہ پڑے تو آپ رَضِیَ اللہ عنہ نے اُسے پی لیا۔ علما فرماتے ہیں کہ آپ کی بہادری اسی خون مبارک کو پینے کی برکت سے تھی۔ (1)

حضرت زید بن ثابت رَضِیَ اللہ عنہ

کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابت بن ضحاک انصاری خزرجی رَضِیَ اللہ عنہ بعثتِ نبوی کے تیسرے سال پیدا ہوئے، جب نبیٔ کریم صلي الله عليه واله وسلم ہجرت فرما کر مدینۂ طیبہ تشریف لائے اس وقت آپ کی عمر مبارک 11 سال تھی۔ غزوۂ بدر کے موقع پر کم سنی کی بنا پر آپ رَضِیَ اللہ عنہ کو اس میں شرکت کی اجازت نہ ملی۔ غزوۂ خندق کے موقع پر نبیٔ کریم صلي الله عليه واله وسلم نے آپ کو خندق کھودتے ہوئے ملاحظہ فرمایا تو اِرشاد فرمایا یہ جوان خوب

(1) سیر اعلام النبلاء، 461/4 ملتقطاً

ہے۔[1] قرآنِ پاک کے حافظ بھی تھے اور علوم قرآن کے ماہر بھی۔ قرآنِ پاک سے اس خصوصی شغف کی بنا پر غزوۂ تبوک کے موقع پر نبیٔ کریم صلي الله عليه واله وسلم نے ایک عَلم حضرت عمارہ بن حزام رضی اللہ عنہ سے لے کر انہیں عطا فرماتے ہوئے اِرشاد فرمایا: قرآن مقدم ہے۔ قرآنِ پاک کو یکجا کرنے کا مرحلہ آیا تو یہ ذمہ داری بھی آپ کو سونپی گئی۔ ہجرت کے موقع پر آپ صلي الله عليه واله وسلم کی بارگاہ میں انہیں پیش کیا گیا کہ انہیں قرآن پاک کی سترہ سورتیں زبانی یاد ہیں جس پر نبیٔ کریم صلي الله عليه واله وسلم نے تعجب کا اظہار فرمایا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قرآنِ پاک کو جمع کرنے والے چار اشخاص ہیں جو انصار سے ہیں۔ یعنی ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابو زید رضی اللہ عنہم[2]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

قدیم الاسلام، صاحب النعلین والوسادۃ حضرتِ سَیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بارگاہِ رسالت صلي الله عليه واله وسلم میں خاص قرب حاصل تھا، یہاں تک کہ انہیں اہلِ بیت میں شامل کیا جاتا رہا۔ اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے: میں اور میرا بھائی دونوں یمن سے آپ صلي الله عليه واله وسلم کے پاس آئے ہم دیر تک سمجھے رہے کہ عبد اللہ بن مسعود نبیٔ کریم صلي الله عليه واله وسلم کے اہلِ بیت میں سے کوئی شخص ہیں کیونکہ وہ اور ان کی والدہ برابر آپ صلي الله عليه واله وسلم کے پاس آتے جاتے رہتے۔[3]

---

(1) سیرت سید الانبیا، ص:89-90

(2) بخاري، 403/3، حديث:5003

(3) بخاري، 549/2، حديث:3763

اُن سب سے زیادہ کتاب اللہ کا علم رکھتا ہوں

شقیق بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سَیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیا تو اِرشاد فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے قرآن کی 70 اور مزید سورتیں خود رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے منہ (مبارک) سے سیکھیں۔ اللہ کی قسم! رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اصحاب کو یہ معلوم ہے کہ میں اُن سب سے زیادہ اللہ کی کتاب کا علم رکھتا ہوں۔(1)

سَیِّدُنا مسروق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سَیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: "وَاللّٰهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ إِلَّا أَنَا أَعْلَمُ أَيْنَ أُنْزِلَتْ وَلَا أُنْزِلَتْ آيَةٌ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ إِلَّا أَنَا أَعْلَمُ فِيمَ أُنْزِلَتْ، وَلَوْ أَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنِّي بِكِتَابِ اللّٰهِ تُبَلِّغُهُ الْإِبِلُ لَرَكِبْتُ إِلَيْهِ"(2) یعنی اس پروردگار کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں قرآن شریف کی کوئی سورت ایسی نہیں اُتری جس کی نسبت میں یہ نہ جانتا ہوں کہ وہ کہاں اتری (مکہ میں یا مدینہ میں یا راستہ میں اتری) اور قرآن پاک کی کوئی آیت ایسی نہیں اتری جس کی نسبت میں یہ نہ جانتا ہوں کہ وہ کس باب میں کس شخص کے حق میں اتری۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ پاک کی کتاب کو مجھ سے زیادہ کوئی جاننے والا ہے اور اونٹ وہاں تک جاسکتے ہوں تو میں فوراً سوار ہو کر (علم حاصل کرنے کے لئے) اس کے پاس جاؤں گا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

نبیِّ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ابو موسیٰ کو آلِ داؤد کی خوش آوازی میں

---

(1) بخاري، 403/3، حديث: 5000

(2) بخاري، 403/3، حديث: 5002

سے حصہ دیا گیا ہے۔[1] حضرتِ سَیِّدُنا عمر فاروق رَضِیَ اللہ عنہ آپ سے فرمائش کیا کرتے کہ ہمیں ہمارے رَبّ کا پاک کلام سناؤ تو آپ اپنی مسحور کن آواز میں قرآنِ مجید کی تلاوت شروع کر دیتے۔[2]

جن دنوں آپ نے شام میں رہائش اختیار فرمائی تو حضرتِ سَیِّدُنا امیر معاویہ رَضِیَ اللہ عنہ امورِ سلطنت سے فارغ ہو کر گھر سے نکلتے اور آپ کے پاس پہنچ کر تلاوتِ قرآن سنا کرتے تھے۔[3]

آپ رَضِیَ اللہ عنہ بصرہ میں روزانہ علمی و نورانی محفل سجایا کرتے تھے چنانچہ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کو اپنی جگہ ٹھہرنے کا حکم فرماتے پھر صفوں کو نئے سرے سے ترتیب دے کر ایک ایک شخص کو قرآن پڑھاتے اور آگے بڑھ جاتے۔[4]

قرآنِ پاک کی اتباع کرو

ایک مرتبہ آپ نے کم و بیش 300 حفاظِ کرام کو جمع کیا اور قرآنِ مجید کی عظمت بیان کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا: بے شک! یہ قرآنِ مجید تمہارے لئے اجر و ثواب کا ذریعہ ہے لیکن یہ تم پر بوجھ بھی بن سکتا ہے، اس لئے تم قرآنِ مجید کی اِتّباع کرو، اسے اپنا تابع نہ بناؤ کیونکہ جو قرآنِ مجید کی اتباع کرتا ہے قرآنِ پاک اسے جنت کے باغات میں پہنچا دیتا ہے اور جو قرآنِ مجید کو اپنا تابع بناتا ہے قرآنِ پاک اسے گُدّی کے بل جہنم میں دھکیل دیتا ہے۔[5]

---

(1) مسلم، ص:310، حدیث:1852

(2) مصنف عبد الرزاق، 321/2، حدیث:4190

(3) سیر اعلام النبلاء، 45/4

(4) مختصر تاریخ دمشق، 243/13

(5) حلیۃ الاولیاء، 323/1 بتغیر

تفسیری روایات کے اعتبار سے سب سے زیادہ تفسیری اقوال حضرت عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہ عنہما کے ہیں، ان کے بعد حضرت عبد اللہ بن مسعود، پھر حضرت علی اور پھر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کے ہیں۔

تیسرا دور: اکابر تابعین کا دور

اس دور میں جب لوگوں کو قرآنی آیات کے معنیٰ سمجھنے میں مشکل ہوئی تو وہ صحابۂ کرام رَضِیَ اللہ عنہم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور چشمۂ رسالت صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے فیضیاب ہونے والی ان ہستیوں سے مطالبِ تفسیر سیکھے۔

تابعین مفسرین

تابعین میں سے چند مشہور مفسرین کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(1) حضرت سعید بن المسیب (2) حضرتِ عروہ (3) حضرت سالم (4) حضرت عمر بن عبد العزیز (5) حضرت سلیمان بن یسار (6) حضرت عطاء بن یسار (7) حضرت زید بن اسلم (8) حضرت ابنِ شہاب زہری (9) حضرت حسن بصری (10) حضرت مجاہد بن جُبیر (11) حضرت سعید بن جُبَیر (12) حضرت علقمہ (13) حضرت قتادہ (14) حضرت امام ابنِ سیرین (15) حضرت ابراہیم نخعی (16) حضرت امام شعبی (17) حضرت عکرمہ (18) حضرت ضحاک بن مزاحم (19) حضرت عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہم۔[1]

چوتھا دور: تفسیر کی تدوین کا دور

تابعین کے دور کے بعد تبعِ تابعین کا دور آیا جس میں باقاعدہ طور پر تفسیر کو الگ سے لکھا جانے لگا۔ یہ تفسیر پورے قرآنِ پاک کی نہیں بلکہ بعض وہ مقامات جو تابعین سے سنے

(1) تفسیر صراط الجنان، 28/1، الاتقان فی علوم القرآن، 1234/2

گئے یا صحابۂ کرام کے وہ اقوال جو بذریعہ تابعین پہنچے انہیں نقل کر دیا گیا چنانچہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ثُمَّ بَعْدَ هَذِهِ الطَّبَقَةِ أُلِّفَتْ تَفَاسِيرُ تَجْمَعُ أَقْوَالَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ كَتَفْسِيرِ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ وَوَكِيعِ بْنِ الْجَرَّاحِ وَشُعْبَةَ بْنِ الْحَجَّاجِ...الخ(1) یعنی پھر اس طبقے کے بعد بہت سی تفاسیر لکھی گئیں جن میں صحابہ و تابعین کے اقوال جمع کیے گئے، جیسا کہ سفیان بن عیینہ، وکیع ابن الجراح اور شعبہ بن الحجاج کی تفاسیر...الخ۔

ابتدا میں تو قرآنِ پاک کی مختلف آیات کی تفسیر لکھی جاتی رہی، پھر اس کے بعد قرآنِ پاک کی مکمل تفسیر کا آغاز ہوا جس کا انداز کتبِ حدیث کی طرز پر تھا، یعنی محدثین کے انداز پر احادیث اور آثارِ صحابہ کو نقل کیا جاتا اور سند بھی ذکر کی جاتی۔ اس دور میں عمومی طور پر تفسیر کی کتب میں صرف اَحادیث، آثارِ صحابہ اور تابعین کے اقوال نقل کیے جاتے تھے اور ان پر کسی قِسم کا کوئی اضافہ نہیں کیا جاتا تھا۔ اس دور کی یادگار اور مشہور تفسیر "تفسیر جامع البیان المعروف تفسیر ابنِ جریر" ہے جسے ہمیشہ علما نے قبول کیا اور اس کی اہمیت کو بیان کیا چنانچہ سَیِّدُنا امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے سَیِّدُنا امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ "اُمّت کا اس پر اجماع ہے کہ تفسیر ابنِ جریر جیسی کوئی دوسری تفسیر نہیں لکھی گئی۔"(2) صاحبِ لسان المیزان لکھتے ہیں: ابنِ خزیمہ نے "تفسیر ابنِ جریر" کے مطالعہ کے بعد فرمایا: اس تفسیر کو مکمل پڑھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ روئے زمین پر ابنِ جریر سے بڑھ کر کوئی علمِ تفسیر جاننے والا نہیں۔(3)

---

(1) الاتقان فی علوم القرآن، 1235/2

(2) الاتقان فی علوم القرآن، 1237/2

(3) لسان المیزان، 760/5 ماخوذاً

اس کے بعد بکثرت علما اس کی طرف متوجہ ہوئے اور مختلف اعتبارات سے تفاسیر سامنے آنا شروع ہوئیں اور آج تک مختلف زبانوں میں مختلف تفاسیر لکھی جارہی ہیں۔

مفسر کے لئے ضروری علوم

علمائے کرام نے مفسر کے لئے جن علوم کو ضروری قرار دیا ہے ان میں سے چند یہ ہیں:

(1) لغت کا علم (2) نحو کا علم (3) صرف کا علم (4) اشتقاق کا علم (7،6،5) معانی، بیان اور بدیع کا علم (8) قرائتوں کا علم (9) اصولِ دین کا علم (10) اصولِ فقہ کا علم (11) اسبابِ نزول کا علم (12) ناسخ اور منسوخ کا علم (13) مُجمَل اور مبہم کی تفسیر پر مبنی احادیث کا علم۔ (1)

اِن علوم کو سامنے رکھتے ہوئے اُن خواتین و حضرات کو اپنے طرزِ عمل پر بڑی سنجیدگی سے غور کرنے کی حاجت ہے جو قرآنِ مجید کا صِرف اُردو ترجمہ اور تفاسیر کی اُردو کتب پڑھ کر ترجمہ و تفسیر کرنا اور اس کے معانی و مطالب بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں، یہ بہت خطرناک اقدام ہے۔ اسے یوں سمجھئے کہ اگر کوئی شخص اَز خود میڈیکل کی کتابیں پڑھ کے اپنا کلینک کھول لے اور مریضوں کا علاج کرنا اور ان کے آپریشن کرنا شروع کر دے تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا؟ اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ نازک قرآنِ مجید کے ترجمہ و تفسیر کا معاملہ ہے کہ اس میں اللہ پاک کے کلام کا معنیٰ و مفہوم اور اس کی مراد بیان کرنی ہوتی ہے اور یہ کام سیکھے بغیر کرنا اور علم کے بغیر کرنا جہنم میں پہنچادے گا۔ اس لئے اگر کسی کو تفسیر بیان کرنے کا شوق ہے تو اسے چاہیے کہ باقاعدہ علومِ دینیہ سیکھ کر اس کا اہل بنے۔ امام حسن بصری رَضِیَ اللہ عنہ فرماتے ہیں: عجمیوں کو اس بات نے ہلاک کر دیا کہ ان میں سے کوئی قرآنِ مجید

---

(1) تفسیر صراط الجنان، 30/1

کی آیت پڑھتا ہے اور وہ اس کے معانی سے جاہل ہوتا ہے تو وہ اپنی اس جہالت کی وجہ سے اللہ پاک پر افتراء باندھنا شروع کر دیتا ہے۔(1)

رَسولُ اللہ صلي الله عليه واله وسلم فرماتے ہیں: جس شخص نے قرآنِ مجید میں بغیر علم کے کچھ کہا اسے اپنا ٹھکانہ دوزخ سمجھ لینا چاہئے۔(2)

کتبِ تفاسیر کی اقسام

متاخرین مفسرین نے قرآنِ مجید کی تفسیر کرتے ہوئے اپنے ذوق کے مطابق تفسیر کی ہے، بعض نے فقہی اعتبار سے کلام کیا ہے اور بعض نے عقیدے کے اعتبار سے، کسی نے لغت کو اپنا موضوع بنایا ہے تو کسی کا موضوعِ سخن حدیث شریف کے ذریعے کلام اللہ کی تفسیر رہا۔ اس اعتبار سے چند معتبر تفاسیر درج ذیل ہیں:

علم الکلام اور کتبِ تفاسیر

مفاتیح الغیب المعروف تفسیر رازی	فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر الرازی رحمۃ اللہ علیہ
مدارك التنزيل وحقائق التأويل	ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی رحمۃ اللہ علیہ

آثار پر مشتمل کتبِ تفاسیر

جامع البيان في تاويل القرآن	ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ
اَلدُّرُ الْمَنْثُوْر فِی التَّاوِیلِ بِالْمَاثُوْر	عبد الرحمن بن ابی بکر، جلال الدین سیوطي رحمۃ اللہ علیہ

(1)تفسیر البحر المحیط، 118/1

(2)ترمذي، 439/4،حدیث:2959

تَفْسِيرُ الْقُرْآنِ الْعَظِيم	ابو الفداء اسماعيل بن عمر بن كثير دمشقى رحمة الله عليه
الجواهر الحسان فى تفسير القرأن	عبد الرحمن بن محمد الثعالبى رحمة الله عليه

آیات الاحکام پر مشتمل تفاسیر

اَحْكَامُ الْقُرْآن	امام ابو بكر جصاص رحمة الله عليه
اَحْكَامُ الْقُرْآن	امام ابو بكر احمد بيهقي رحمة الله عليه
اَحْكَامُ الْقُرْآن	ابو بكر محمد ابنِ عربى رحمة الله عليه
الجامع لاحكام القرآن	امام ابو بكر المالكى القرطبى رحمة الله عليه
التفسيرات الاحمديه	شيخ احمد بن ابو سعيد المعروف ملا جيون رحمة الله عليه

بلاغت قرآنی پر مشتمل تفاسیر

اَلْبَحْرُ الْمُحِيط	شيخ ابو حيان الاندلسي رحمة الله عليه
اِرْشَادُ الْعَقْلِ السَّلِيم	شيخ ابو السعود محمد عمادي رحمة الله عليه

غرائب القرآن پر مشتمل تفاسیر

تفسير غريب القرآن لابن قتيبة

متفرق علوم پر مشتمل تفاسیر

تفسير روح المعانى

تفسير روح البيان

تفسير مظهرى

تفسير الصاوى

تاریخِ حدیث اور علمِ حدیث

تاریخِ حدیث اور علمِ حدیث

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ ط
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمانِ عالی شان ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (پ۳،اٰلِ عمران:۳۱)

ترجَمۂ کنزالایمان: اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں صدر الافاضل حضرت علّامہ مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کی محبت کا دعویٰ تب ہی سچا ہو سکتا ہے جب آدمی سَیِّدِ عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا متبع ہو اور حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اطاعت اختیار کرے۔" کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں: "محبتِ الٰہی کا دعویٰ سَیِّدِ عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اتباع وفرمانبرداری کے بغیر قابلِ قبول نہیں، جو اس دعویٰ کا ثبوت دینا چاہے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی غلامی کرے۔"(1)

معلوم ہوا کہ اللہ پاک سے محبت کا تقاضا ہے کہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اتباع کی جائے اور اس اتباع کا ثمرہ اللہ پاک کے نزدیک مقامِ محبوبیت کی صورت میں حاصل ہو گا۔

یہ بات محتاجِ بیان نہیں کہ حضور معلّمِ کائنات صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اتباع کے لئے آپ علیہ السلام کے اقوال وافعال اور احوال کا جاننا از حد ضروری ہے اور ان اقوال وافعال

---

(1) تفسیر نعیمی، پ3،ال عمران، تحت الآیۃ: 31،ص:110 ملتقطاً





اور احوال کو ہی حدیث کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلف خلف نے احادیث کو یاد کرنے اور انھیں دیگر لوگوں تک پہنچانے کے لئے ہر دور میں بہت اہتمام فرمایا ہے یہاں تک کہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ آج تک جتنی بھی کتب لکھی گئیں ان میں سب سے زیادہ کتب کا موضوع حدیثِ رسولِ مقبول ہی بنا۔ اور کیوں نہ ہو کہ بقولِ اعلیٰ حضرت رحمة الله عليه:

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جسکا بیاں نہیں

بلاشبہ احادیثِ نبویہ دینِ اسلام کے مآخذ میں سے ہیں اور ہر دور میں ائمۂ دین ان کی خدمت کرتے رہے اور یہی احادیثِ نبویہ انسانی زندگی کا ضابطہ ہیں اور حیاتِ انسانی کا کوئی ایسا موڑ نہیں جہاں نبیِّ اکرم صلي الله عليه واله وسلم نے راہنمائی نہ فرمائی ہو۔ کہیں صوم وصلوٰۃ کا بیان ہے تو کہیں حج وزکوٰۃ کا بیان، کہیں والدین کے حقوق کے انمول موتی ہیں تو کہیں زوجین کے حقوق کے دُرِّنایاب، کہیں اچھے تاجر کی خصوصیات کا تذکرہ ہے تو کہیں بیع وشراء کے انمول اصول، کہیں دنیا کی مذمت کا بیان ہے تو کہیں آخرت سنوارنے کی ترغیب۔ الغرض قدم قدم پر پیارے نبی صلي الله عليه واله وسلم کی پیاری باتیں ہماری رہنمائی کے لئے موجود ہیں، مگر پھر بھی انسان خوابِ غفلت کا شکار ہے۔ (1)

حدیث کی تعریف اور اس کی قسمیں

جمہور محدثین کی اصطلاح میں حدیث کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے:

"اَلْحدِيثُ يطْلَقُ عَلَى قَوْلِ النَّبِيِّ تَصْرِيحاً وَحُكْماً وَعَلَى فِعْله وَتَقْرِيره وَمَعْنَى التقرير هو مَافُعِلَ بِحُضُوْرِه وَلَمْ ينْكِرْه عَلَيه أو تَلَفَّظَ به أحَدٌ مِنَ الصَّحَابة

(1) انوار الحديث، ص:29

بِمَحْضَرِ النَّبِيِّ وَلَمْ ينكره وَلَمْ ينهه عَنْ ذَلِكَ بَلْ سَكَتَ وَقَرَّرَ-"[1]

یعنی حدیث کہتے ہیں حضور صلي الله عليه واله وسلم کے قول کو خواہ وہ صراحتاً ہو یا حکماً اور حضور صلي الله عليه واله وسلم کے فعل اور تقریر کو۔ تقریر کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلي الله عليه واله وسلم کے رُوبرو کوئی کام کیا گیا اور حضور صلي الله عليه واله وسلم نے اُسے منع نہ فرمایا۔ یا صحابہ رَضِیَ الله عنهم میں سے کسی نے کوئی بات کہی اور حضور صلي الله عليه واله وسلم نے اُسے رد نہیں کیا بلکہ خاموش رہے اور عملاً اُسے ثابت فرما دیا۔

وَكَذَا يطْلَقُ الْحَدِيثُ عَلَى قَوْلِ الصَّحَابة وَعَلَى فعلهم وَعَلَى تقريرهم وَالصَّحَابِى هو مَنِ اجْتَمَعَ بِالنَّبِيِّ مُؤْمِناً وَمَاتَ عَلَى الْاِسْلَامِ-[2]

اور اسی طرح حدیث کا لفظ بولا جاتا ہے صحابہ رَضِیَ الله عنهم کے قول و فعل اور تقریر پر۔ اور صحابی کہتے ہیں اس محترم ہستی کو جسے بحالتِ ایمان حضور صلي الله عليه واله وسلم کی صحبت نصیب ہوئی ہو اور ایمان پر ہی خاتمہ ہوا ہو۔

"وَكَذٰلِكَ يطلق الْحَدِيث عَلَى قَوْلِ التَّابِعِينَ وفعلهم وتقريرهم وَالتَّابِعِيُّ هو من لَقِيَ الصَّحَابِيَّ وَكَانَ مُؤْمِناً بِالنَّبِيِّ وَمَاتَ عَلَى الْاِسْلَامِ-"[3]

اور اسی طرح حدیث کا لفظ بولا جاتا ہے تابعین کے قول و فعل اور تقریر پر۔ اور تابعی کہتے ہیں اس معظم ہستی کو جس نے بحالتِ ایمان کسی صحابی سے ملاقات کی ہو اور ایمان پر اس کا خاتمہ ہوا ہو۔

(1)ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی، ص 31-32، مقدمة فی اصول الحديث، ص:33

(2)ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی، ص 31، نزهة النظر فی توضيح نخبة الفكر، ص:111

(3)مقدمة فی اصول الحديث، ص 33، ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی، ص:32، نزهة النظر فی توضيح نخبة الفكر، ص:113

حدیث کی بنیادی اقسام

اس لحاظ سے بنیادی طور پر حدیث کی تین اقسام بنتی ہیں جن کی تشریح حضرت شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ یوں بیان فرمائی ہے:

ما انتهى إلى النبي صلى الله عليه وسلم يقال له المرفوع

وما انتهى إلى الصحابي يقال له الموقوف

وما انتهى إلى التابعي يقال له المقطوع[1]

یعنی جس حدیث کا سلسلۂ روایت نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تک منتہی ہوتا ہے اُسے "حدیثِ مرفوع" کہتے ہیں اور جس حدیث کا سلسلۂ روایت کسی صحابی تک منتہی ہوتا ہے اُسے "حدیثِ موقوف" کہتے ہیں اور جس حدیث کا سلسلۂ روایت کسی تابعی تک منتہی ہوتا ہے اُسے "حدیثِ مقطوع" کہتے ہیں۔

حدیث کی دینی حیثیت

یہ امر محتاجِ بیان نہیں کہ احکامِ شریعت کا پہلا سرچشمہ قرآنِ عظیم ہے کہ وہ خدا کی کتاب ہے اور قرآن ہی کی صراحت وہدایت کے بموجب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اطاعت واتباع بھی ہر مسلمان کے لیے لازم وضروری ہے کہ بغیر اس کے احکامِ الٰہی کی تفصیلات کا جاننا اور آیاتِ قرآنی کا منشاومراد سمجھنا ممکن نہیں ہے اس لیے اب لامحالہ حدیث بھی اس لحاظ سے احکامِ شرع کا ماخذ قرار پاگئی کہ وہ رسولِ خدا کے احکام وفرامین، ان کے اعمال، افعال اور آیاتِ قرآن کی تشریحات ومُرادات سے باخبر ہونے کا واحد ذریعہ ہے۔

---

(1) نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر، ص:106-114

اب ذیل میں قرآنِ مبین کی وہ آیاتِ کریمہ ملاحظہ فرمایئے جن میں نہایت صراحت ووَضاحت کے ساتھ بار بار رسولِ انور صلي الله عليه واله وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری اور اتباع و پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝ (پ9،الانفال:20)

ترجمۂ کنز الایمان: اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور سن سنا کر اس سے نہ پھرو۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا (پ10،الانفال:46)

ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑو نہیں کہ پھر بزدلی کروگے۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (پ5،النساء:64)

ترجمۂ کنز الایمان: اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (پ3،اٰلِ عمران:31)

ترجمۂ کنز الایمان: اے محبوب تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (پ5،النساء:65)

ترجمۂ کنز الایمان: تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ

ترجمۂ کنز الایمان: حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر

فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ (پ5، النساء:59)	تم میں کسی بات کا جھگڑا اُٹھے تو اسے اللہ و رسول کے حضور رجوع کرو۔
مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (پ5، النساء:80)	ترجمۂ کنز الایمان: جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ (۳۳) (پ26، محمد:33)	ترجمۂ کنز الایمان: اے ایمان والو اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور اپنے عمل باطل نہ کرو۔
قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ (۳۲) (پ3، آلِ عمران:32)	ترجمۂ کنز الایمان: تم فرمادو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ کو خوش نہیں آتے کافر۔
وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (۷) (پ28، حشر:7)	ترجمۂ کنز الایمان: اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (پ21، الاحزاب:21)	ترجمۂ کنز الایمان: بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔

مذکورہ بالا آیاتِ قرآنیہ کی رُو سے اہلِ اسلام کے لیے رسولِ اکرم صلي الله عليه واله وسلم کی ذاتِ گرامی کا مرکزِ اطاعت اور مرجعِ اتباع ہونا واضح طور پر ثابت ہوگیا۔ لہذا اس اعتبار سے اب رسولِ خدا صلي الله عليه واله وسلم کا ہر حکم ہمارے لیے اسی طرح واجب الاطاعت

ہے جس طرح قرآن کے ذریعہ ہم تک پہنچنے والا کوئی حکمِ خداوندی ہمارے لیے واجب الاطاعت ہے کیونکہ رسول کا حکم بھی بالواسطہ خدا ہی کا حکم ہے۔

ایک بنیادی سوال

یہ بات ذہن نشین کر لینے کے بعد اب ایک بنیادی سوال پر غور فرمائیے اور وہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات میں رسولِ خدا صلي الله عليه واله وسلم کی اطاعت واتباع کا جو بار بار حکم دیا گیا ہے تو آیا یہ حکم، رسولِ پاک صلي الله عليه واله وسلم کی صرف حیاتِ ظاہری تک خاص ہے یا قیامت تک کے لیے عام ہے؟

اس سُوال کا جواب یہ ہے کہ اگر معاذ اللہ اس حکمِ الٰہی کو رسولُ اللہ صلي الله عليه واله وسلم کی حیاتِ ظاہری کے ساتھ خاص کر دیا جائے تو دوسرے لفظوں میں اس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہوگا کہ قرآن اور اسلام پر عمل کرنے کا زمانہ بھی رسولِ خدا صلي الله عليه واله وسلم کی حیاتِ ظاہری تک محدود ہے اس لیے کہ رسولِ خدا صلي الله عليه واله وسلم کے فرمودات کی اطاعت اور ان کے افعال کی پیروی لازم ہی اس لیے تھی کہ بغیر اس کے قرآن واِسلام کی تفصیلات کو سمجھنا اور ان پر عمل کرنا ممکن ہی نہ تھا۔ لیکن جب قرآن و اسلام پر عمل درآمد کا حکم قیامت تک کے لیے ہے تو ثابت ہوا کہ رسولِ خدا صلي الله عليه واله وسلم کی اطاعت واتباع کا حکم بھی قیامت تک کے لیے ہے۔

حدیث کے حجت ہونے پر ایک عظیم استدلال

لغت کا معنی دلیل

جب یہ بات طے ہوگئی کہ قرآن و اسلام پر عمل درآمد کا حکم قیامت تک کے لیے ہے اور یہ بھی طے ہوگئی کہ قرآن و اسلام کی تفصیلات کا علم اور اُن پر عمل درآمد بغیر اطاعتِ رسول کے ممکن نہیں ہے تو اس ضمن میں ایک دوسرا بنیادی سوال یہ ہے کہ لغت

وعرف اور شریعت و عقل کی رو سے اطاعت ہمیشہ احکام کی کی جاتی ہے پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ آج رسولِ خدا صلي الله عليه واله وسلم کے وہ احکام کہاں ہیں جن کی اطاعت کا قرآن ہم سے مطالبہ کرتا ہے کیونکہ احکام کے بغیر اطاعت کا مطالبہ سراسر عقل و شریعت کے خلاف ہے۔ پس جب آج بھی قرآن ہم سے اطاعتِ رسول کا طالب ہے تو لازماً آج ہمارے سامنے احکامِ رسول کا ہونا بھی ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ رسولِ خدا صلي الله عليه واله وسلم کے احکام سے وہ احکام ہرگز نہیں مراد لیے جاسکتے جو خدا کی طرف سے قرآن میں وارد ہوئے ہیں۔ کیونکہ احکامِ خداوندی ہونے کی حیثیت سے ان کا واجب الاطاعت ہونا ہمارے لیے بہت کافی ہے اس لیے لامحالہ ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ صلي الله عليه واله وسلم کے جن احکام کی اطاعت کا ہمیں حکم دیا گیا ہے وہ قرآن مجید میں وَارد شُدہ احکامِ خداوندی کے علاوہ ہیں۔

اتنی تمہید کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ رسولِ پاک صلي الله عليه واله وسلم کے احکام وارشادات اور قرآن واسلام کی تشریحات وتفصیلات کے مجموعہ کا نام "مجموعۂ احادیث" ہے۔ یہیں سے حدیث کی دینی ضرورت اور اس کی اسلامی حیثیت اچھی طرح واضح ہوگئی۔ حدیث کی دینی اہمیت سے وہی شخص انکار کرسکتا ہے جو یک لخت اطاعتِ رسول کا منکر ہو۔

نقل وروایت کی ضرورت پر استدلال

ملّتِ اسلام کی جن مقدّس ہستیوں کو رسولِ انور صلي الله عليه واله وسلم کے اعمال وافعال کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور ان کے احکام وارشادات کو اپنے کانوں سے سننے کا قابلِ رشک موقع حاصل تھا اُنھیں اُمور سے باخبر ہونے کے لیے نقل وروایت کے واسطوں کی مطلق ضرورت نہیں تھی۔ لیکن بعد میں آنے والے جن افراد کو براہِ راست اس کا موقع حاصل

نہیں تھا اُنہیں رسول اللہ صلي الله عليه واله وسلم کے اقوال وافعال سے باخبر ہونے کا ذریعہ سوائے نقل وروایت کے اور کیا تھا؟

یہیں سے یہ سوال بھی حل ہو گیا کہ نبیٔ کریم صلي الله عليه واله وسلم کے اقوال وافعال اور کوائف واحوال سے آنے والی اُمّت کو باخبر کرنے کے لیے سلسلۂ نقل وروایت کی ضرورت کیوں پیش آئی۔

پس اس اُمّت کے جس افضل ترین طبقے نے رسول اللہ صلي الله عليه واله وسلم کو بذاتِ خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور براہِ راست اپنے کانوں سے سنا وہ "طبقۂ صحابہ" کے نام سے موسوم ہوا اور سرورِ کونین صلي الله عليه واله وسلم کے وصال شریف کے بعد صحابۂ کرام نے جن لوگوں تک رسالتِ مآب صلي الله عليه واله وسلم سے متعلق اپنے مشاہدات، مسموعات اور معلومات کا ذخیرہ پہنچایا وہ "تابعین" کہلائے۔ اور اس معزز طبقے نے صحابۂ کرام کے ذریعہ حاصل ہونے والے مشاہدات و مسموعات کا ذخیرہ جن لوگوں تک پہنچایا وہ "تبعِ تابعین" کے لقب سے ملقب ہوئے۔ پھر اس طبقہ نے تابعینِ کرام کے ذریعہ حاصل کیے ہوئے سے اپنے زمانے کے لوگوں کو باخبر کیا یہاں تک کہ سینہ بہ سینہ، سفینہ در سفینہ، نسل در نسل اور گروہ در گروہ نقلِ روایات کا یہ مقدّس سلسلہ آگے بڑھتا رہا تاآنکہ رسالتِ مآب صلي الله عليه واله وسلم کے اقوال وافعال، احوال وکوائف اور ارشادات وتقریرات کا وہ مقدّس ذخیرہ احادیث کی ضخیم ضخیم کتابوں میں محفوظ ہو کر ہم چودہ سو برس بعد میں پیدا ہونے والے افرادِ اُمّت تک پہنچا۔

داستانِ شوق کا آغاز اور اس کا اہتمام

روایتِ حدیث کا یہ سارا سلسلہ جن حضرات پر منتہی ہوتا ہے وہ صحابۂ کرام رَضِیَ الله عنهم

کا مقدس طبقہ ہے۔ کیونکہ رسالتِ مآب صلي الله عليه واله وسلم کی حیاتِ طیبہ کے وہی مشاہدِ حقیقی، ناقلِ اوّل اور شب و روز کے حاضر باش ہیں۔ اگر ان بزرگوں نے اپنی معلومات و مشاہدات کا ذخیرہ دوسروں تک نہ پہنچایا ہوتا تو روایتِ حدیث کے ایک عظیم فن کی بنیاد ہی کیوں پڑتی۔ معارف و تجلیات کا چشمۂ فیض جہاں پھوٹا تھا وہیں منجمد ہو کے رہ جاتا۔ آخر ایک قرن کی بات دوسرے قرن میں پہنچی کیسے؟ اگر سننے اور دیکھنے والوں نے پہنچانے کا اہتمام نہیں کیا تھا۔

اس راہ میں صحابۂ کرام کے جذبۂ اشتیاق کی تفصیل معلوم کرنے کے بعد معمولی عقل و فہم کا آدمی بھی اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ اس کام کو دین کا بنیادی کام سمجھتے تھے۔ جیسا کہ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ جب تک صحابۂ کرام رَضِیَ اللہ عنہم کو سرکارِ پُر انوار کے وجودِ ظاہری کی برکتوں کا شرف حاصل رہا وہ ہر وقت دربارِ گُہر بار میں سراپا اشتیاق رہا کرتے کہ کب لبہائے مبارکہ کھلیں اور ہم اِرشاداتِ طیبات سے اپنے دلوں کو معطّر کریں اور اتنا ہی نہیں بلکہ حاضر رہنے والوں سے اس کا بھی عہد و پیمان لیا جاتا کہ وہ غیر حاضر رہنے والوں تک دربارِ نبوت کی ساری سرگزشت پہنچا دیا کریں جیسا کہ حاکم الحدیث حضرت حافظ نیشاپوری رحمة الله عليه حضرت براء بن عازب رضي الله عنه سے اسی سلسلے میں ایک حدیث روایت کرتے ہیں: ما كل الحديث سمعناه من رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يحدثنا أصحابنا وكنا مشتغلين في رعاية الإبل وأصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كانوا يطلبون ما يفوتهم سماعه من رسول الله صلى الله عليه وسلم فيسمعونه من أقرانهم وممن هو أحفظ منهم[1] یعنی ہم لوگوں کو تمام احادیث کی سماعت حضور صلي الله عليه واله وسلم

(1) معرفة علوم الحديث، ص:14

سے نہیں ہو پاتی تھی ہم اُونٹوں کی دیکھ بھال میں بھی مشغول رہتے تھے اور صحابۂ کرام رضي الله عنهم کو حضور صلي الله عليه واله وسلم سے جس حدیث کی سماعت فوت ہو جاتی تھی اُسے اپنے ہم عصروں اور زیادہ یاد رکھنے والوں سے سن لیا کرتے تھے۔

عہدِ صحابہ میں راویانِ حدیث کے مواقع

دین کو اپنی تفصیلات و تشریحات کے ساتھ اہلِ اسلام تک پہنچانے کے لیے صحابۂ کرام کے درمیان احادیث کی نقل و رِوایت کا شب و روز یہ معمول تو تھا ہی اس کے علاوہ بھی بہت سے مواقع اس طرح کے پیش آتے تھے جب کہ کسی خاص مسئلے میں قرآن کا کوئی صریح حکم نہیں ملتا تو مجمعِ صحابہ سے دریافت کیا جاتا کہ اس مسئلے کے متعلق نبیٔ کریم صلي الله عليه واله وسلم کی کوئی حدیث کسی کو معلوم ہو تو بیان کرے چنانچہ حاکم الحدیث حضرت حافظ نیشاپوری رحمة الله عليه حضرت قبیصہ ابنِ ذویب رضي الله عنه سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں: جاءت الجدة في عهد أبي بكر رضي الله عنه تلتمس أن تورث فقال أبو بكر: ما أجد لك في كتاب الله شيئا وما علمت أن رسولَ الله صلى الله عليه وسلم ذكر لك شيئا حتى أسأل الناس العشية فلما صلى الظهر قام في الناس يسألهم فقال المغيرة بن شعبة: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يعطيها السدس۔[1] یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضي الله عنه کے عہدِ خلافت میں ایک دادی اُن کی خدمت میں حاضر ہوئی وہ چاہتی تھی کہ اُسے پوتے کی میراث میں سے کچھ حصہ دیا جائے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضي الله عنه نے ارشاد فرمایا: میں قرآنِ مجید میں تیرا کوئی حصہ نہیں پاتا اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ حضورِ اکرم

(1) معرفة علوم الحديث، ص: 15

صلي الله عليه واله وسلم نے تیرے بارے میں کچھ فرمایا ہے۔جب اس نے اصرار کیا تو فرمایا: اچھا ٹھہر! میں شام کو لوگوں سے اس کے بارے میں دریافت کروں گا جب ظہر کی نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں سے اس کے متعلق دریافت کیا اس پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضي الله عنه کھڑے ہوئے اور فرمایا: میں نے حضورِ اکرم صلي الله عليه واله وسلم سے سنا ہے کہ وہ دادی کو چھٹا حصہ دیتے تھے۔

واقعہ کی تحقیق کا ایک عظیم نکتہ

راوی کہتے ہیں کہ جب حضرت مغیرہ بن شعبہ حدیث بیان کر کے بیٹھ گئے تو حضرت ابو بکر صدیق رضي الله عنه دوبارہ کھڑے ہوئے اور اِرشاد فرمایا: أسمع ذلك معك أحد؟ فقام محمد بن مسلمة فقال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يعطيها السدس فانفذ ذلك لها ابو بكر رَضِيَ الله عنه۔[1] یعنی یہ بات تمہارے ساتھ کسی اور نے بھی سنی ہے؟ اس سوال پر حضرت محمد بن مسلمہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بیانِ کیا کہ میں نے بھی رسول اللہ صلي الله عليه واله وسلم سے سنا ہے کہ وہ دادی کو چھٹا حصہ دیتے تھے چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضي الله عنه نے دادی کے لیے چھٹا حصہ مقرر کر دیا۔

یاد رکھیے! حضرت ابو بکر کا یہ سوال "أسمع ذلك معك أحد؟ (یہ بات تمہارے ساتھ کسی اور نے بھی سنی ہے؟)" حضرت مغیرہ بن شعبہ رضي الله عنه سے تھا جن کا شمار اجلۂ صحابہ میں ہے اور جن کی دیانت و تقویٰ اور امانت وراستی کی قسم کھائی جاسکتی ہے۔ لیکن یہیں سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حدیثِ رسول دین کے لیے حجت اور وجوبِ احکام میں مؤثر نہ

---

(1) معرفة علوم الحديث، ص:15

ہوتی تو حدیث کی توثیق و تصدیق کے لیے اتنا اہتمام کیوں کیا جاتا۔ اور یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ بیان کرنے والے ایک سے دو ہو جائیں تو بات کا ثبوت نقطۂ کمال کو پہنچ جاتا ہے۔

کسی واقعہ کی خبر ایک ہی آدمی کی زبانی سنی جائے اور وہی خبر متعدد آدمیوں کے ذریعہ موصول ہو تو دونوں میں یقین و اعتماد کی کیفیت کا جو فرق ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ حضور سرورِ عالم صلي الله عليه واله وسلم کی حدیث شریف کے متعلق اپنے علم و یقین اور نقل و روایت کے اعتماد کو نقطۂ کمال پر پہنچانے کے لیے صحابۂ کرام کے یہاں اس طرح کا اہتمام ہمیں قدم قدم پر ملتا ہے۔

ایک ایمان افروز واقعہ

حاکم الحدیث حضرت حافظ نیشاپوری رحمة الله عليه مشہور صحابیٔ رسول حضرت ابو ایوب انصاری رضي الله عنه کے متعلق ایک نہایت رِقَّت انگیز واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضورِ اکرم صلي الله عليه واله وسلم سے ایک حدیث سنی تھی اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ اس حدیث کے سننے والوں میں مشہور صحابی حضرت عقبہ بن عامر رضي الله عنه بھی تھے۔ نبیٔ کریم صلي الله عليه واله وسلم کے وصال شریف کے بعد جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور مصر و شام اور روم و ایران پر اسلامی اقتدار کا پرچم لہرانے لگا تو بہت سے صحابہ حجازِ مقدّس سے مفتوحہ ممالک میں منتقل ہو گئے۔ انہی لوگوں میں حضرت عقبہ بن عامر بھی تھے جو مصر گئے اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ حضرت ابو ایوب انصاری کو کسی طرح یہ معلوم ہو گیا کہ یہ جو حدیث میں نے نبیٔ کریم صلي الله عليه واله وسلم سے سنی ہے اس کے سننے والوں میں حضرت عقبہ بن عامر بھی ہیں تو صرف اس بات کا جذبۂ اشتیاق اُنہیں مدینے سے مصر لے

گیا کہ حضرت عقبہ بن عامر سے اس بات کی توثیق کر کے وہ یہ کہہ سکیں کہ اس حدیث کے دو راوی ہیں ایک میں ہوں دوسرے عقبہ بن عامر ہیں۔

ان کے اس والہانہ سفر کا حال بھی بڑا ہی رِقّت انگیز اور روح پَرور ہے چنانچہ جذبۂ شوق میں کہساروں، وادیوں اور دریاؤں کو عبور کرتے ہوئے وہ مصر پہنچے۔ کبر سنی کا عالم، دشوار گزار سفر لیکن شوق کی بے خودی میں نہ اُنہیں بڑھاپے کا احساس ہوا، نہ راستے کی دشواریاں حائل ہوئیں۔ شب و روز چلتے رہے مہینوں کی مسافت طے کر کے جب مصر پہنچے تو سیدھے مصر کے گورنر حضرت مسلمہ بن مخلد انصاری کی رہائش گاہ پر نزولِ اِجلال فرمایا۔ امیرِ مصر نے مراسمِ ملاقات کے بعد دریافت کیا: "ما جاء بك يا أبا أيوب؟" کس غرض سے تشریف لانا ہوا ابو ایوب؟ جواب میں ارشاد فرمایا: "حديث سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يبق أحد سمعه من رسول الله صلى الله عليه وسلم غيري وغير عقبة بن عامر فابعث من يدلني على منزله" یعنی میں نے رسولِ پاک صلي الله عليه واله وسلم سے ایک حدیث سنی ہے اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ اس حدیث کے سننے والوں میں میرے اور عقبہ بن عامر کے سوا اب کوئی اس دنیا میں موجود نہیں ہے۔ پس میرے ساتھ ایک ایسا آدمی بھیج دو جو مجھے ان کے گھر تک پہنچا دے۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس میں اس لیے نہیں آیا ہوں کہ تم سے ملنا مقصود تھا بلکہ صرف اس لیے آیا ہوں کہ تم حضرت عقبہ بن عامر کے گھر تک میرے پہنچنے کا انتظام کر دو چنانچہ والئ مصر نے ایک جانکار آدمی ساتھ کر دیا جو اُنہیں حضرت عقبہ بن عامر کے دولت کدے تک لے گیا۔ معانقہ کے بعد انہوں نے بھی پہلا سوال یہی کیا: "ما جاء بك يا أبا أيوب؟" کس غرض سے تشریف لانا ہوا ابو ایوب؟ جواب میں فرمایا: حديث سمعته من رسول الله صلى الله

عليه وسلم لم يبق أحد سمعه من رسول الله صلى الله عليه وسلم غيري وغيرك في ستر المؤمن قال عقبة: نعم سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "من ستر مؤمنا على خزيه ستره الله يوم القيامة" فقال أبو أيوب: صدقت۔ یعنی ایک حدیث میں نے رسولِ پاک صلي الله عليه واله وسلم سے سنی ہے اور اس کا سننے والا میرے اور آپ کے سوا اب کوئی دنیا میں موجود نہیں ہے اور وہ حدیث مؤمن کی پردہ پوشی کے بارے میں ہے۔ حضرت عقبہ نے جواب دیا کہ ہاں حضورِ اکرم صلي الله عليه واله وسلم سے میں نے یہ حدیث سنی ہے کہ جو کسی رسوائی کی بات پر مؤمن کی پردہ پوشی کرتا ہے کل قیامت کے دن اللہ پاک اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ حضرت ابو ایوب نے فرمایا: آپ نے سچ کہا یہی میں نے بھی سنا ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں: " ثم انصرف أبو أيوب إلى راحلته فركبها راجعا إلى المدينة یعنی اتنا سن کر حضرت ابو ایوب انصاری رَضِیَ الله عنہ اپنی سواری کے پاس آئے، سوار ہوئے اور مدینہ کی طرف واپس لوٹ گئے۔"

گویا مصر کے دُور دراز سفر کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ اپنے کان سے سنی ہوئی بات دوسرے کی زبان سے سن لیں۔

سوز و گداز میں ڈوبا ہوا تاثر

حاکم الحدیث حضرت امام حافظ نیشاپوری رحمة الله علیہ نے اس رِقّت اَنگیز واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد سوز و گداز میں ڈوبا ہوا اپنا یہ تاثر سپردِ قلم کیا ہے: "فهذا أبو أيوب الأنصاري على تقدم صحبته وكثرة سماعه من رسول الله صلى الله عليه وسلم رحل إلى صحابي من أقرانه في حديث واحد"(1) یعنی یہ ابو ایوب انصاری ہیں جو صحابیت میں

(1) معرفة علوم الحديث، ص:8




اَقدم اور حضور صلي الله عليه واله وسلم سے کثیر الروایۃ ہونے کے باوجود صرف ایک حدیث کے لیے اپنے معاصر سے ملنے گئے اور دور دَراز کا سفر کیا۔

ایک اور دیوانہ شوق

حاکم الحدیث حضرت امام حافظ نیشاپوری رحمة الله عليه نے اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضي الله عنه کے بارے میں بھی نقل کیا ہے چنانچہ اِرشاد فرماتے ہیں: اپنے وقت کے ایک عظیم محدث حضرت عمرو بن ابی سلمہ، امام الحدیث حضرت امام اوزاعی رضي الله عنه کی خدمت میں چار دن رہے اور صرف تیس حدیثیں ان سے سماعت فرمائیں ایک دن وہ حضرت امام اوزاعی سے کہنے لگے: "أنا ألزمك منذ أربعة أيام ولم أسمع منك إلا ثلاثين حديثا"(1) یعنی مجھے آپ کی خدمت میں رہتے ہوئے چار دن ہو گئے لیکن میں صرف تیس حدیثیں آپ سے حاصل کر سکا۔ امام اوزاعی نے جواب میں ارشاد فرمایا: "وتستقل ثلاثين حديثا في أربعة أيام! لقد سار جابر بن عبد الله إلى مصر واشترى راحلة فركبها حتى سأل عقبة بن عامر عن حديث واحد و انصرف إلى المدينة"(2) یعنی چار دن میں تیس حدیثوں کا ذخیرہ تم کم سمجھ رہے ہو حالانکہ حضرت جابر بن عبد اللہ نے صرف ایک حدیث کے لیے مصر کا سفر کیا، سواری خریدی اور اس پر سوار ہو کر مصر گئے اور حضرت عقبہ بن عامر سے ملاقات کر کے مدینہ واپس لوٹ گئے۔

مطلب یہ ہے کہ چار دن میں تیس احادیث کی سماعت کو بھی غنیمت جانو کہ ایک عظیم نعمت تمہیں کم سے کم مدت میں حاصل ہو گئی ورنہ عہدِ صحابہ میں تو صرف ایک حدیث

---

(1) تاريخ مدينة دمشق، رقم:5347، عمرو بن ابى سلمة، 46/ 69، الرحلة في طلب الحديث، ص:126

(2) معرفة علوم الحديث، ص:8




کے لیے لوگ دور دراز ملکوں کا سفر کرتے تھے بلکہ عہدِ صحابہ میں طلبِ حدیث کے لیے سفر اتنا لازم تھا کہ حضرت ابنِ عمر رَضِیَ اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: "لطالب العلم يتخذ نعلين من حديد[1] یعنی طالبِ علم کو چاہیے کہ وہ اپنے لئے لوہے کے جوتے تیار کرائے۔" تاکہ بغیر کسی زیرباری کے ساری عمر وہ طلبِ حدیث میں سفر کرتا رہے۔

سلسلۂ روایت کی تقویت کے اسباب

عہدِ صحابہ میں سلسلۂ روایت کی تقویت کے لیے جہاں راویوں کی کثرتِ تعداد کو اہمیت دی جاتی تھی وہاں نقل و رِوایت کی صحت جانچنے اور اُسے یقین کی حد تک پہنچانے کے لیے اور بھی طریقے رائج تھے۔ مثال کے طور پر حضرت مولائے کائنات علی مرتضٰی رَضِیَ اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے: "إذا فاته عن رسول الله صلى الله عليه وسلم حديث ثم سمعه من غيره يحلف المحدث الذي يحدث به"[2] یعنی جب ان کو کسی حدیث کی سماعت حضور صلي الله عليه واله وسلم سے فوت ہو جاتی تو دوسرے راوی سے حدیث کی سماعت فرماتے لیکن اس سے قسم لیا کرتے تھے۔

یاد رکھیے! صحابۂ کرام، تابعین، تبعِ تابعین اور ائمۂ مسلمین حدیث لینے میں خوب احتیاط سے کام لیتے تھے چنانچہ حاکم الحدیث حضرت امام حافظ نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ اِرشاد فرماتے ہیں: "كذلك جماعة من الصحابة والتابعين وأتباع التابعين ثم عن أئمة المسلمين كانوا يبحثون وينقرون عن الحديث إلى أن يصح لهم[3] یہی حال صحابہ،

(1) معرفة علوم الحديث، ص:9

(2) معرفة علوم الحديث، ص:15

(3) معرفة علوم الحديث، ص:15

تابعین، تبعِ تابعین اور ائمۂ مسلمین کا تھا کہ وہ حدیث کے بارے میں بحث و کرید کیا کرتے تھے یہاں تک کہ ان کو حدیث کی صحت کا یقین ہو جاتا۔"

روایتِ حدیث کا فن اپنی جس عظیم خصوصیت کے باعث سارے جہان میں منفرد ہے وہ یہ ہے کہ کسی واقعہ کے نقل و روایت کے لیے صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ نفسِ واقعہ بیان کر دیا جائے بلکہ بیانِ واقعہ سے پہلے ناقل کے لیے یہ ظاہر کرنا ضروری ہے کہ اس واقعہ کا علم اسے کیونکر ہوا۔ کتنے واسطوں سے وہ بات اس تک پہنچی ہے اور وہ کون لوگ ہیں، ان کے نام و نشان کیا ہیں، اُن کی عمر کیا ہے، وہ کہاں کے رہنے والے ہیں، دیانت، تقویٰ، راست گفتاری، حُسنِ اعتقاد، قوّتِ حافظہ، عقل و فہم اور فکر و بصیرت کے اعتبار سے ان کے حالات کیا ہیں۔ اسی کو اصطلاحِ حدیث میں اسناد کہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اصحابِ حدیث کے یہاں اسناد اتنی ضروری چیز ہے کہ اس کے بغیر ان کے یہاں کوئی بات قابلِ اعتماد نہیں ہوتی یہاں تک کہ حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمة الله عليه نے اِرشاد فرمایا: "الإسناد من الدين ولولا الإسناد قال من شاء ما شاء یعنی اسناد دِین کا حصہ ہے اگر اسناد نہ ہوتی تو جس کے دل میں جو آتا کہتا۔"(1)

اے ابن ابی فروہ! تجھ کو اللہ تباہ کرے!

اسی ضمن میں حاکم الحدیث حضرت امام حافظ نیشاپوری رحمة الله عليه نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ابنِ ابو فروہ نامی کسی شخص نے حضرت امام زہری رحمة الله عليه سے بغیر کسی اسناد کے حضور صلي الله عليه واله وسلم کی ایک حدیث بیان کی اس پر امام زہری نے آزردہ ہو کر فرمایا: "قاتلك الله يا ابن أبي فروة ما أجرأك على الله لا تسند حديثك؟

(1) معرفة علوم الحديث، ص:6

تحدثنا بأحاديث ليس لها خطم ولا أزمة![1] اے ابنِ ابی فروہ! تجھ کو اللہ تباہ کرے تجھ کو کس چیز نے اللہ پر جری کر دیا ہے کہ تیری حدیث کی کوئی سند نہیں ہے تُو ہم سے ایسی حدیثیں بیان کرتا ہے کہ جن کے لیے نہ نکیل ہیں نہ لگام۔"

اصولِ نقدِ حدیث

احادیث کو اغلاط کی آمیزش سے محفوظ رکھنے کے لیے کیسی کیسی تدبیریں عمل میں لائی گئی ہیں اس سلسلے میں حاکم الحدیث حضرت امام حافظ نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ومما يحتاج إليه طالب الحديث في زماننا هذا أن يبحث عن أحوال المحدث أولا: هل يعتقد الشريعة في التوحيد وهل يلزم نفسه طاعة الأنبياء والرسل صلى الله عليهم فيما أوحي إليهم ووضعوا من الشرع ثم يتأمل حاله: هل هو صاحب هوى يدعو الناس إلى هواه فإن الداعي إلى البدعة لا يكتب عنه ولا كرامة لإجماع جماعة من أئمة المسلمين على تركه ثم يتعرف سنه: هل يحتمل سماعه من شيوخه الذين يحدث عنهم فقد رأينا من المشايخ جماعة أخبرونا بسن يقصر عن لقاء شيوخ حدثوا عنهم ثم يتأمل أصوله"[2]

"یعنی ہمارے زمانے میں ایک طالبِ حدیث کے لیے ضروری ہے کہ پہلے وہ محدث کے حالات کی تفتیش کرے کہ آیا وہ توحید کے بارے میں شریعت کا معتقد ہے؟ اور کیا انبیائے کرام علیہم السلام کی اطاعت اپنے اوپر لازم سمجھتا ہے۔ پھر اس کی حالت پر غور کرے کہ وہ بدمذہب تو نہیں ہے کہ لوگوں کو اپنی بدمذہبی کی طرف دعوت دے رہا ہو۔ کیونکہ

(1) معرفة علوم الحديث، ص:6

(2) معرفة علوم الحديث، ص:15

بدعت کی طرف بلانے والے سے کوئی حدیث نہیں لی جائے گی۔ پھر اس محدث کی عمر معلوم کرے کہ اس کی سماع ان مشائخ سے ممکن ہے کہ جن سے وہ حدیث بیان کر رہا ہے پھر اس کے اصول پر غور کرے۔"

تاریخ وتدوینِ حدیث

عہدِ صحابہ سے لے کر آج تک حدیثوں کی تدوین اور جمع وترتیب کا کام کیونکر عمل میں آیا؟ اس حوالے سے عرض ہے کہ سرکارِ رسالتِ مآب صلي الله عليه واله وسلم کا عہدِ پُرنور جو نزولِ قرآن کا زمانہ ہے، اس عہدِ پاک میں چونکہ آیاتِ قرآنی کے تحفظ کا کام سب سے اہم تھا اس لیے حضور پاک صلي الله عليه واله وسلم نے صحابۂ کرام کو تاکید فرمائی کہ وہ صرف آیاتِ قرآنی کو قلمبند کیا کریں۔ احادیث کو قیدِ تحریر میں نہ لائیں تاکہ آیاتِ قرآنی کے ساتھ کسی طرح کا التباس نہ ہو۔ البتہ اس امر کی اجازت تھی کہ زبانی طور پر احادیث کی روایت ونقل میں کوئی مضائقہ نہیں ہے چنانچہ حضرت امام مسلم رحمة الله عليه حضرت ابو سعید خدری رَضِیَ اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں: عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلي الله عليه وسلم قَالَ: ''لَا تَكْتُبُوا عَنِّي وَمَنْ كَتَبَ عَنِّي غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلْيَمْحُهُ وَحَدِّثُوا عَنِّي وَلَا حَرَجَ وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ قَالَ هَمَّامٌ أَحْسِبُهُ قَالَ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔''[1] یعنی حضرت ابو سعید خدری رَضِیَ اللہ عنہ نے کہا کہ رسولِ کریم صلي الله عليه واله وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص میری حدیث نہ لکھے اور جس نے قرآن کے سوا کچھ لکھا ہو تو اس کو مٹا دے۔ اور میری حدیثیں زبانی بیان کرے کوئی حرج نہیں اور جس نے میری طرف کوئی جھوٹ بات منسوب کی تو اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم بنائے۔

(1) مسلم، ص: 1223، حدیث: 7510

لیکن اسی کے ساتھ بعض وہ صحابہ جنہیں اپنے اوپر اعتماد تھا کہ وہ قرآنی آیات کے ساتھ احادیث کو مخلوط نہیں ہونے دیں گے وہ اپنے طور پر حدیثوں کو بھی قلمبند کرلیا کرتے تھے چنانچہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں: ''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَحَدٌ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْهُ مِنِّي، إِلاَّ مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَلاَ أَكْتُبُ۔''(1) حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے صحابہ میں کوئی مجھ سے زیادہ حدیث بیان کرنے والا نہیں تھا مگر عبد اللہ بن عمرو کیونکہ وہ لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔

جب کاغذ کے ٹکڑوں، ہرن کی جھلیوں، کھجور کے پتوں اور الواحِ قلوب میں بکھری ہوئی قرآنِ مجید کی آیتیں عہدِ فاروقی سے لے کر عہدِ عثمان تک کتابی شکل میں ایک جگہ جمع کردی گئیں اور ساری دنیا میں اس کے نسخے پھیلا دیئے گئے اور احادیث کے ساتھ آیاتِ قرآنی کے التباس و اختلاط کا کوئی اندیشہ نہیں رہ گیا تو حضرت عمر بن عبد العزیز رَضِیَ اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ان کے ایما پر احادیث کی تدوین اور تصنیف و کتابت کا کام باضابطہ شروع ہوا جیسا کہ ''شرح الفیہ'' کے مقدمہ میں ہے: فَلَمَّا افْضَتِ الْخِلَافَة إِلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ رضي الله عنه فِي عَام ۹۹ تِسْعٍ وَّ تِسْعِينَ مِنَ الهجْرَة كَتَبَ إِلَى ابي بَكرِ بْنِ حَزم وَهُوَ شَيخُ مُعَمَّرٍ وَاللَّيثِ والاوزاعي وَمَالِك وَابْنِ اِسْحٰق وَابْنِ ابي ذِئْبٍ وَهو نَائِبُ عُمَرٍ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيز فِى الْقَضَاءِ عَلَى الْمَدِينة يَقُوْلُ له أَنْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حديث رَسُوْلِ اللهِ صلي الله عليه واله وسلم فَاكْتُبه فَإِنِّى خِفْتُ دُرُوْسَ الْعِلْمِ وذهاب الْعُلَمَاءِ۔ یعنی ۹۹ھ میں جب حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت کی ذمہ

(1) بخاری، 1/ 58، حدیث: 113

داریاں سنبھالیں تو آپ نے ابو بکر بن حزم کو لکھا جو معمر، لیث، اوزاعی، مالک، ابنِ اسحاق اور ابنِ ابو ذئب کے شیخ تھے۔ اور مدینۂ منوّرہ میں محکمۂ قضا میں خلیفہ کے نائب تھے ان سے حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا کہ جو حدیث بھی حضور کی ملے اسے لکھ لو اس لیے کہ مجھ کو علم کے مٹنے اور علماء کے چلے جانے کا خوف ہے۔(1)

اتنا ہی نہیں بلکہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہاں تک نقل کیا گیا ہے: "كتب عمر ابن عبد العزيز إلى الآفاق انظروا حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فاجمعوه "(2) یعنی انہوں نے اطراف و جوانب میں لکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی کوئی حدیث پاؤ تو اسے جمع کر لو۔

فنِ حدیث میں سب سے پہلی کتاب کی تصنیف

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک پر فنِ حدیث میں سب سے پہلی کتاب حضرت ابنِ حزم رحمۃ اللہ علیہ نے تصنیف فرمائی۔ اس کے بعد حدیث کی کتابوں کی تصنیف و تالیف اور جمع و ترتیب کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا، مختلف شہروں میں مختلف بزرگوں نے حدیث میں بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں، صاحبِ "شرح الفیہ" نے نہایت تفصیل کے ساتھ بقیدِ مقام ان بزرگوں کے نام لکھے ہیں چنانچہ اِرشاد فرماتے ہیں: "مِنهمْ ابْنُ جُريج بِمكّة وَابْنُ اِسْحَاق وَمَالِكٌ بِالْمَدِينة وَالرَّبِيعُ بْن صبيح وَسعيد بْنُ عُرْوَة وَحمَّادُ بْنُ سَلَمة بِالْبَصْرَة وَسُفْيانُ الثَّوْرِىُّ بِالْكُوفة والاوزاعي بِالشَّام وهشامٌ بِوَاسِط وَمَعمَر بِاليَمَن وَجَرِيرُ بْنُ عبد الله بِالرى وَابْنُ الْمُبَارَك بِخُرَاسَان۔"(3)

(1)مقدمة شرح الفية، ص:5، بخارى، 54/1

(2)تدريب الراوى، ص:50

(3)مقدمة شرح الفية، ص:5

یعنی ان میں ابنِ جریج مکہ میں ابنِ اسحاق اور مالک مدینہ میں، ربیع بن صبیح، سعید بن عروہ اور حماد بن سلمہ بصرہ میں، سفیان ثوری کوفہ میں، اوزاعی شام میں، ہشام واسط میں، معمر یمن میں، جریر بن عبد اللہ رے میں اور ابن المبارک خراسان میں تھے۔ رَضِیَ اللہ عنہم اجمعین

مذکورہ بالا محدثین کے اسماذکر کرنے کے بعد صاحبِ شرح الفیہ اِرشاد فرماتے ہیں:

"كُلّهمْ فِي عَصْرٍ وَاحِدٍ وَمِنْ طَبقة وَاحِدَة وَاكثرهم مِنْ تَلامِذَة ابي بَكر بْن حَزم وَابن شهاب الزّهري"(1) یہ سب کے سب ایک ہی زمانہ میں ایک ہی طبقہ کے تھے اور ان میں کے اکثر حضرتِ ابو بکر بن حزم اور ابنِ شہاب زہری کے شاگرد تھے۔

اس کے بعد تصنیف و تالیف اور مختلف حلقہائے درس کے ذریعہ احادیث کی نشر واشاعت کا سلسلہ آگے بڑھتا گیا، روایتوں کے قبول ورَد کے اصول، راویوں کے اوصاف وشرائط اور اس فن کے آداب ولوازم پر ضوابط کی تشکیل عمل میں آئی اور اصولِ حدیث کے نام سے علم وفکر کی دنیا میں ایک نئے فن کا آغاز ہوا۔ اصول وشرائط کے سخت سے سخت معیار پر احادیث کی نئی نئی کتابیں لکھی گئی یہاں تک کہ آج اس فن کی جملہ تصنیفات میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سننِ ابوداؤد، سننِ ابنِ ماجہ اور سننِ نسائی بہت مشہور اور لوگوں کے درمیان رائج ہیں۔

سطورِ بالا میں حدیث کی دینی ضرورت، اس کی علمی اور فنی ثقاہت اور اس کی تاریخی عظمت وانفرادیت پر کافی روشنی پڑ چکی ہے۔ جن پاک طینت مسلمانوں کو اسلام وقرآن عزیز ہے اور جو اپنے آپ کو اُسی اُمّتِ مسلمہ کا ایک فرد سمجھتے ہیں جو چودہ سو برس سے اپنی متوارث روایات اور مربوط دینی وفکری تہذیب کے ساتھ زندہ وتابندہ ہے تو انہیں حدیث

(1) مقدمة شرح الفية، ص:9

پر اعتماد کرنے کے لیے کسی دلیل کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ البتہ جو لوگ کہ از راہِ نفاق حدیث کا انکار کرتے ہیں اور اپنی اس شقاوت کو چھپانے کے لیے قرآن کا نام لیتے ہیں۔ حدیث کا انکار قرآن کی پیروی کے جذبے میں نہیں بلکہ قرآن کی پیروی سے بچنے کے لیے ہے۔ حدیث کے انکار سے ان کا اصل مدعا یہ ہے کہ کلامِ خداوندی کے مفہوم کا یقین ان کی ذاتی صواب دید پر چھوڑ دیا جائے تاکہ آیاتِ الٰہی کا مفہوم مسخ کر کے بھی وہ قرآن کی پیروی کا دعویٰ کر سکیں۔ دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ منکرینِ حدیث کے فتنے سے اہلِ ایمان کو محفوظ رکھے اور انہیں توفیق دے کہ وہ حدیث کی روشنی پھیلا کر عالَم کا اندھیرا دور کریں۔[1]

وصلي الله علي خير خلقه سيدنا محمد واله وصحبه وحزبه اجمعين